اقبال

★ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن

★ عصمت پبلی کیشنز ۱۵ ، جواہر نگر ، سرینگر کشمیر

اقبال

حلقۂ افسوں و تسخیر کا حیاتی پیکر

▲ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن

عصمت پبلی کیشنز

(جملہ حقوق بحق عصمت شکیل محفوظ)

★ اشاعتِ اوّل ——— اکتوبر ۱۹۷۳ء ———

★ تعداد ——— دو ہزار ———

★ ناشر ——— عصمت پبلی کیشنز۔ ۱۵ جواہر نگر، سرینگر، کشمیر

قیمت ۳ روپے

★ ملنے کا پتہ

عصمت پبلی کیشنز

۱۵۔ جواہر نگر، سرینگر، کشمیر

۳

”اقبال کی جمالیات

چند بنیادی اشارے“

● "منڈل" سنسکرت لفظ ہے۔ ینگ نے اسے ایک بنیادی حسی لاشعوری پیکر اور ایک نہایت ہی اہم "آرچ ٹائپ" (ARCHE TYPE) کہا ہے۔ "منڈل" کو ہم نسلی اور اجتماعی لاشعور کا "حلقۂ افسوں اور حلقۂ تسخیر" کہہ سکتے ہیں۔ بڑے فنکاروں کے حسیاتی اور معانی خیز جذباتی تجربوں میں جہاں کئی "آرچ ٹائپس" ابھرتے ہیں وہاں "منڈل" کا لاشعوری پیکر بھی ابھرتا ہے

بڑے فنکاروں کی تخلیقات میں ایک یا ایک سے زیادہ "آرچ ٹائپس" جمالیاتی تجربوں کی بنیاد نظر آتے ہیں۔ "آتش" اور "پرچھائیں" کے آرچ ٹائپس غالب کی جمالیات میں شاعر کے ساحرانہ عمل یا ارتفاع (SUBLIMATION) اور علامتوں اور پیکروں کی معانی خیز جہتوں کے محرک اور بنیاد ہیں۔ "اقبال کی جمالیات" کے مطالعے میں میں "منڈل" یعنی حلقۂ افسوں اور حلقۂ تسخیر کے آرچ ٹائپ کو زیادہ اہم سمجھتا ہوں ــــ "ضعیف دانش مند" (WISE OLD MAN)

کا آرچ ٹائپ بھی اقبال کی شاعری میں جمالیاتی فکر، تخیلی فکر اور جمالیاتی تجربوں کا ایک سرچشمہ ہے۔ "جاوید نامہ" میں مولانا رومؒ اسی آرچ ٹائپ کی علامت ہیں۔ یوں "اسرارِ خودی"، "رموزِ بیخودی"، "زبورِ عجم"، "ضربِ کلیم" اور "مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" میں خود ان کی آواز تجربہ کار معلم اور دانشور کی آواز بن گئی ہے۔ "ضعیف دانش مند" کے آرچ ٹائپ کو اتنی شدت سے ابھارا ہے کہ حکیمانہ لہجے کے ساتھ ان کی پوری شخصیت اس آرچ ٹائپ کا پیکر بن گئی ہے۔ اس جمالیاتی پیکر کا مطالعہ اس صحبت میں ممکن نہیں ہے۔

میں نے کہا ہے کہ اقبال کی جمالیات میں "منڈل" یعنی حلقۂ افسوں اور حلقۂ تسخیر کے آرچ ٹائپ کو میں زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ شاعری میں ان کے ساحرانہ عمل اور ان کے احساس اور تجربوں کے پیچھے یہ آرچ ٹائپ انتہائی متحرک اور فعال (DYNAMIC) ہے اقبال نے جب بھی ان تجربوں کو اجاگر کیا ہے جو ان کی شاعری میں شکل نہ پاتے تو دھندلے بہت حد تک فراموش اور جامد رہتے، انہوں نے شدت سے "منڈل" یا حلقۂ افسوں و تسخیر (MAGIC-CIRCLE) کے آرچ ٹائپ کا گہرا احساس دلایا ہے۔ اس آرچ ٹائپ نے ان کے تجربوں کو صورتیں عطا کی ہیں۔ کرداروں کے خد و خال ابھارے ہیں ڈرامائی خصوصیتیں پیدا کی ہیں، جلال اور جمال کے رجحان کو اتنا متحرک کیا ہے کہ حلقۂ افسوں اور حلقۂ تسخیر کی گہرائیوں میں اتر کر ان کی تخیلی فکر نے وقت اور مکاں کے میکانکی تصور کو توڑ دیا ہے۔ یہ آرچ ٹائپ ان کے حسی، جذباتی اور جمالیاتی تجربوں کا ایک بنیادی سرچشمہ ہے۔

اقبال نے منڈل کو اپنے "وژن" (VISION) کا مرکز بنایا ہے۔ اور

"اقبالیات" کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ محسوس ہو کہ اِس دائرے میں اُنکا "وژن" ابھرا ہے۔

● "منڈل" یا حلقۂ افسوں اور حلقۂ تسخیر ایک نہایت ہی قدیم حسیاتی اور جمالیاتی تجربہ ہے۔ یہ دائرہ صدیوں سے موجود ہے اور انسان کے لاشعور میں متحرک ہے انسان کے اجتماعی اور نسلی لاشعور میں تخلیق کا ایک اہم سرچشمہ ہے ذہن اسے کسی نہ کسی صورت میں ابھارتا رہتا ہے اور بڑے فنکاروں کے یہاں یہ "آرچ ٹائپ" زیادہ ابھر جاتا ہے۔ ممکن ہے "سورج" اس جمالیاتی تجربے کی بنیاد ہو۔ دنیا کے ہر ملک میں "منڈل" کی علامتیں ملتی ہیں۔ "تانترک یوگ" میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ "مسیحی حلقۂ افسوں" کو بھی ذہن میں رکھئے۔ حضرت عیسیٰ کی وہ تصویریں توجہ چاہتی ہیں جن میں مسیح کے سر کے پیچھے ایک دائرہ ہے۔ "ہندو آرٹ" اور "بدھ آرٹ" میں "منڈل" موجود ہے۔ رام، کرشن اور گوتم کی تصویروں اور مجسموں میں یہ دائرہ یعنی حلقۂ سحر اور حلقۂ تسخیر ملتا ہے

"قدیم رقص" میں بھی "منڈل" کی علامتیں ملتی ہیں۔ اس آرچ ٹائپ کی بہت سی علامتیں ہیں۔ "دائرے" اور "مربعے" جن میں مرکزی نقطے ہوتے ہیں۔۔۔۔ ایسے مرتب کئے ہوئے پیکر جن میں ارتکاز کا احساس ہو، بہت سی بنیادی اور کائناتی ترتیبیں، یہ منڈل یا حلقۂ سحر اور افسوں اور حلقۂ تسخیر کی علامتیں ہیں۔ ینگ نے ان علامتوں کو خوابوں میں پایا ہے۔ بلاشبہ انسانی سوچ اور فنکاروں کے تخیل اور احساس اور ان کے جمالیاتی تجربوں میں "وژن" کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم کسی لمحہ "منڈل" کے لاشعوری پیکر کو نظر انداز نہیں کر سکتے

اقبال نے اس دائرہ یا حلقۂ افسوں و تسخیر کو انتہائی متحرک اور سیال بنا دیا ہے ان کی فکر و نظر کے جلال و جمال اور تصورات کی ڈرامائیت کے پیشِ نظر اُن کی جمالیات میں "منڈل" کے حسی پیکر کو ایک خاص جگہ دینا چاہوں گا۔

"منڈل" کو سمجھاتے ہوئے ینگ نے لکھا ہے کہ قدیم انسان نے جب خدا کی ذات کو شدت سے محسوس کرنا چاہا تو اُس نے اپنے خیال کے انتشار کے پیشِ نظر ایک حسی دائرے کو اُبھارا اور اسی دائرے میں خدا کو محسوس کیا۔ رفتہ رفتہ یہ حلقہ بہت اہم ہو گیا۔ شعور اور لاشعور میں اس نے ایک نمایاں جگہ حاصل کر لی۔ صدیوں کے بعد نسلی اور اجتماعی لاشعور میں یہ دائرہ ایک "آرچ ٹائپ" (ARCHE TYPE) بن گیا۔ اس حلقے میں خدا کی جگہ "شخصیت"، "فرد کی ذات" اور "فرد کی خودی" نے لے لی۔ خدا اور فرد کی شخصیت اور "خودی" کے علاوہ دوسرے حسیاتی پیکر ابھرے آرٹ اور خصوصاً شاعری میں کوئی حسیاتی، وجدانی اور جمالیاتی تصور اس وقت تک اپنے طور پر کسی نہ کسی طرح جمالیاتی تکمیل کا احساس نہیں دلاتا، اپنے خد و خال نہیں اُبھارتا جب تک کہ

فنکار اس "آرچ ٹائپ" کو شدّت سے نہیں اُبھارتا اور اس تصوّر کے گرد سحر اور افسوں کا دائرہ، تسخیر کے شدید احساس کے ساتھ نہیں ڈال دیتا ہے۔

● اقبال کے چند بنیادی حسیاتی تصوّرات شدّت سے متاثر کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ قاری اپنے احساس اور جذبے کے ساتھ اس دائرے یا چکّر کو اپنی نگاہوں کا مرکز بنا لیتا ہے اور جیسے جیسے یہ چکّر گھومتا ہے، قاری کا احساس زیادہ حسّاس اور بیدار ہوتا جاتا ہے۔

اُردو شاعری میں اقبال کے علاوہ کسی دوسرے شاعر نے اتنی شدّت سے اِس حسیاتی پیکر یا اِس "آرچ ٹائپ" (ARCHETYPE) کو نہیں اُبھارا ہے

"خدا" آدم" "خودی" مردِ مومن" عشق" فقر" زندگی" موت" رُوح" شاہین" "ابلیس" اور دوسرے حسّیاتی اور جمالیاتی پیکر اسی حلقۂ افسوں اور حلقۂ تسخیر کو سمجھاتے ہیں۔ "منڈل" کے اندر ان کی ڈرامائی خصوصیات توجہ چاہتی ہیں۔ اقبال کے اس "وژن" (VISION)

میں متحرک تخیّل اور احساس کی شدّت سے ہم متاثر ہوتے ہیں اِس لاشعوری دائرے سے جو حلقۂ افسوں "اقبالیات" میں اُبھرا ہے اس میں شاعر کے "وژن" کا کرشمہ یہ ہے کہ اتنی علامتوں میں کوئی علامت دوسری علامت سے علیٰحدہ نہیں ہے تمام علامتیں ایک دوسرے میں جذب ہیں ایک پیکر کا مطالعہ دوسرے پیکر کا مطالعہ بن جاتا ہے۔ ایک چکّر کھاتا ہوا تیز رفتار حلقہ یا دائرہ کئی پیکروں اور علامتوں کو ایک ساتھ ابھارتا ہے اُن کے گہرے باطنی رشتوں کا احساس شدید ہوتا ہے انسانِ کامل کا مطالعہ خدا سے الگ نہیں ہوگا، مردِ مومن کا مطالعہ عشق سے علیٰحدہ نہیں ہوگا، زندگی کا مطالعہ موت اور زماں و مکاں سے الگ نہیں ہوگا۔ روح زندگی سے الگ نہیں ہے۔ ابلیس، انسان سے علیٰحدہ نہیں ہے، خودی فقر سے الگ نہیں ہے یہ شاعرانہ تجربے کی ہمہ گیری ہے جو زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں کو ایک "وحدت" میں نمایاں کرتی ہے

یہ تمام خوب صورت شیشے حلقۂ افسوں میں تخیل، احساس اور جذبے کے رنگوں کا دھواں پھیلا دیتے ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے اقبالیات کا موضوع کُل زندگی ہے اور تمثیل اور علامت میں تخیّل کے سانچے میں ڈھل کر پوری زندگی ایسے حکیمانہ لہجے میں نمایاں ہو رہی ہے جس میں جلال اور جمال کی وحدت ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اقبالیات کا موضوع کُل زندگی نہیں ہے بلکہ کل زندگی کا جوہر ہے۔

حلقۂ سحر میں جہاں اتنے پیکر ہیں، اتنی علامتیں ہیں، اتنے استعارے ہیں تجربوں کی تہہ دار جہتیں ہیں تخیل، احساس اور جذبے کے بہت سے رنگوں کا دھواں ہے، کُل زندگی کے اُس جوہر کو پانا ضروری ہے، جسے اقبال نے بنیادی تجربہ بنایا ہے اور تخیل کے سانچے

میں ڈھال کر جلال اور جمال کی وحدت کے ساتھ اپنے حکیمانہ لہجے میں اس طرح پیش کیا ہے کہ تمثیل استعارہ اور علامت کی بنیادی خصوصیات کے ساتھ اُردو شاعری میں یہ جوہر کُل زندگی کا انتہائی معانی خیز اشارہ بن گیا ہے یہ جوہر "خودی" ہے جو "منڈل" کے "آرچ ٹائپ" میں اپنے تہہ دار پہلوؤں کے ساتھ موجود ہے، آئینہ در آئینہ، آئینہ در آئینہ !

● میرے نزدیک "خودی" اقبالیات کی رُوح ہے کل زندگی کا وہ جوہر ہے جسے اقبال نے اپنا حسیاتی تجربہ بنایا ہے، اپنے آرٹ میں جمالیاتی تجربہ بنایا ہے۔

"خودی" اقبال کے جمالیاتی حلقۂ سحر و افسوں میں مرکزی نقطہ ہے، یہ مرکزی نقطہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ "بے خودی" کا اجتماعی تصور بھی اسے چھپا نہیں پاتا، دائرہ جتنا تیز گھومے چکر جتنا تیز چلے، اس کی روشنی بہت تیز رہتی ہے۔ اس میں اقبال کے تخیل کی تیزی ہے ان کی تیز جبلت کی لپک ہے، مزاج کی نرمی اور گرمی ہے، جذبوں کا رنگ ہے، ماضی کا شعور ہے، پھیلے ہوئے فعال لاشعور کا بہاؤ ہے، شدید رومانی احساس ہے، پوری شخصیت کا جادو ہے، حسرت، تمنا اور خواہش بھی ہے اور ذوق و شوق اور قوت پسندی بھی۔ اقبال کے آرٹ میں خودی کو فلسفیانہ تصور نہ سمجھئے بلکہ اُن کے تخیل کی صورت گر قوت کا ایسا حسیاتی پیکر تصور کیجئے جس کی جڑیں انسان

کی صدیوں کی جذباتی زندگی میں پیوست ہیں اور جو "وجدان" کی بلندیوں کا آئینہ ہے۔ اقبال کی شاعری میں زندگی اور موت، خالق اور مخلوق، ابلیس اور آدم، قلندر اور عشق، زماں و مکاں۔ کسی بھی حسیاتی، رومانی، جمالیاتی اور تخیلی تصور پر سوچئے، حلقۂ سحر میں کسی پیکر کو ٹٹولئے، "منڈل" کے اس مرکزی نقطے پر پہلے سوچنا ہوگا جسے اقبال نے "خودی" کہا ہے۔ یہ مرکزی نقطہ پہلے آپکی توجہ چاہے گا، اس لئے کہ دوسرے تمام تجربے اسی سے بندھے ہوئے ہیں، اسی روشنی کی شعاعیں ہیں، صرف اس پیکر کا مطالعہ اقبال کے سوز و گداز، مشاہدہ کا ئینات اور احساسِ تجربہ کو بخوبی سمجھا دیتا ہے۔ اقبال کی شاعری میں حسی تجربوں کا مطالعہ کرتے ہوئے نفسی سطح پر حرارت توانائی، تابناکی اور حرکت اور پہلوداری کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اس کے لئے صرف ایک پیکر "خودی" پر غور و فکر ضروری ہے اس لئے کہ اقبال کے تمام حسی پیکر اسی سے جذب ہیں۔

اقبال کی شاعری میں "موت" کے جمالیاتی تجربے پر گفتگو بھی اقبال کے حلقۂ افسوں میں "خودی" کو مرکزی روشن اور تابناک نقطہ سمجھ کر ہی کی جاسکتی ہے۔ "خودی" ایک جمالیاتی علامت ہے اس کے ساتھ ہی میرا یہ خیال بھی ہے کہ اپنے بعض خوب صورت حصوں یعنی بعض خوبصورت، استعاروں اور علامتوں اور انوکھی تمثیلوں کے باوجود "اسرارِ خودی" تخلیق نہیں ہے "تجربہ کار دانش مند" (WISE OLD MAN) کا آرچ ٹائپ" اتنا ابھرا ہے کہ خود شاعر "تجربہ کار دانش مند" بن گیا ہے۔ وہ خود اس آرچ ٹائپ میں ڈھل گیا ہے، خود اپنے لہجے کو بوڑھے تجربہ کار دانش مند کا حکیمانہ لہجہ بنا دیا ہے، اس کے اپنے "وژن" کا اسے احساس نہیں رہا ہے یا یہ کہیئے کہ وہ اپنا "وژن" خلق نہیں کر سکا ہے، قاری اس کا "وژن" نہیں پاتا، الفاظ "شاعرِ اقبال" کے نہیں

"معلّم اقبال" کے ذہن اور جذبے کو چھُوتے ہیں، وجود کی تیز آنچ میں پگھل کر تجربہ جذبہ نہیں بن سکا ہے۔ آرٹ میں مسائل حل کرنے کی کوشش جب بھی ہوئی ہے ناکامی تقدیر بن گئی ہے "خودی" کی تین منزلوں کی نشاندہی اور دُوسری بالوں کو اس طرح پیش کرنے سے زیادہ ضروری تھا کہ وہ اُن کی طرف سے ہمیں زیادہ حسّاس بنا دیتے، بیدار کر دیتے اور وہ اس آرٹ سے خوب واقف تھے۔ "تجربہ کار دانش مند" کے پیکر میں وہ شاعری سے پیغام دینا چاہتے تھے، "بُت پرستی بُت گری مقصود نیت" سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ اقبال ایک شاعر کی حیثیت سے "ذوقِ دیدہ وری" کے قائل تھے اور "خودی" کا حسّیاتی تصوّر ذوقِ دیدہ وری کا آئینہ ہے اس تصوّر کے ساتھ حسّی تجربے کی سطح "ایمائیت" اور شدّت تاثر کی وجہ سے اتنی بلند ہو گئی ہے کہ اسکی دُوسری مثال اُردو شاعری میں نہیں ملتی۔

● اقبال کی شاعری یا اُن کے "وژن" کے حلقہ افسوں اور حلقہ تسخیر کے دو واضح رنگ ہیں۔

ایک رنگ کو مٹی کا سنہرا رنگ کہیئے

اور

دوسرے کو آسمان کا نیلا رنگ

مٹی کا سنہرا رنگ اس دائرے میں آہستہ آہستہ گھومتا ہے اور نیلا رنگ انتہائی تیزی کے ساتھ پورے دائرے میں چکر لگاتا ہے۔ نیلے رنگ کا حلقہ انتہائی حیاتی ہے۔ روشنی، گرمی، حرکت قوت، لطافت، تازگی اور رنگینی کا مطالعہ کیا جائے تو نیلے رنگ کا یہ حلقہ جمالیات کے کئی پہلوؤں کو واضح اور نمایاں کرے گا۔ "ذوقِ تپش"۔ ذوقِ تبسم"۔ "حدیثِ ماتم دلبری"۔ "صنم خانہ پندار" "تسخیرِ جہات" "لذتِ بے تابی" "طائرِ لاہوتی" "خیابان خودی" "لذتِ یکتائی"۔ "ضمیر کائنات" "محشرستانِ لوا" "ذوقِ نمو"

"رنگ و بو" اور "آئینۂ اندیشہ" اور دوسری بہت سی ترکیبوں اور معانی خیز مثالوں کا حسن جلوہ بن جائے گا۔

اقبال مٹی کے سنہرے رنگ پر اپنے معاشرے کی تنقید کرتے ہیں، خارجی قدروں کی نشاندھی کرتے ہیں، قدروں کی شکست و ریخت اور ماضی کی عظمت کا احساس دلاتے ہیں۔ پیغام دیتے ہیں، بیانات دیتے ہیں، ایمان اور یقین، مسلمانوں کی گمرہی، اور دینِ اسلام کے موضوعات اور مذہبی عقائد اور مابعد الطبیعاتی خیالات کو منظوم کرتے ہیں اور نیلے رنگ پر اپنے "وژن" کا احساس شدت سے دلاتے ہیں، اپنی درون بینی کے رجحان کو ابھارتے ہیں، یہ دونوں نفسیاتی سطحیں ہیں۔ ان دونوں رنگوں کا رشتہ گہرا بھی ہوتا ہے، لوٹ بھی جاتا ہے، اتنا بھی لوٹ جاتا ہے کہ مٹی کے سنہرے رنگ پر شاعر نہیں "پیامبر" ابھر آتا ہے، حکیم نکتہ داں سامنے آجاتا ہے جس کی فلسفیانہ بصیرت ہی متاثر کرتی ہے، اجتماعی وجدان اور روحانی اور اخلاقی مقاصد پر اسکی نظر رہتی ہے یہاں بھی اکثر اقبال کا ادراک ان کا دوررس وجدان اور ان کا ذوقِ جمال متاثر کرتا ہے، ان کے خونِ جگر کی پہچان ہوتی ہے زندگی کے اسرار کے انکشاف میں ہم اُن کے سوز اور اُن کے حساس دِل کو پا لیتے ہیں، یہاں بھی اکثر صاحب ساز کا لہو "رگ ساز" میں رواں محسوس ہوتا ہے جب دونوں رنگوں کا رشتہ گہرا ہوتا ہے تو ان کی اپنی ذات کے تحرک اور تجسّس کی پہچان ہر جگہ ہوتی ہے۔ سنہرے رنگ کے تجربوں کو نیلے رنگ کے تجربوں کا پس منظر کہنا چاہیئے۔ اُردو تنقید نے سُنہرے رنگ پر ان تجربوں کو ہمیشہ اہمیت دی ہے۔ دوسرا رنگ اب تک ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان

(رُوحِ اقبال) اور سیّد عابد علی عابد (شعرِ اقبال) اقبال کے معروف ناقد ہیں، دونوں نے شاعر کے آرٹ پر بصیرت افروز گفتگو کی ہے لیکن دونوں نقادوں کا تجزیہ حکیم نکتہ داں ہی کے پیکر کو زیادہ اُبھارتا ہے۔ ترقی پسند نقاد جب بھی اقبال کے سامنے آئے ہیں، پھسل کر گر گئے ہیں، اختر حسین رائے پوری ہوں یا مجنوں گورکھپوری، سیّد احتشام حسین ہوں یا علی سردار جعفری حلقۂ افسوں و تسخیر میں اقبال کے وژن کو صرف مٹی کے سُنہرے رنگ کے تجربوں سے سمجھنا چاہا ہے، اِن ہی تجربوں پر اپنے فارمولوں اور کلیوں سے تنقید کی ہے تجزیہ کرتے ہوئے اپنے نظریہ سے جن تجربوں کو قریب پایا ہے ان کی تعریف کی ہے اور جنہیں دُور دیکھا ہے اُن پر ایسی تنقید کی ہے جسے ادبی تنقید کہنا مشکل ہے۔ اقبال کی شاعری کس قسم کی ادبی تنقید کا مطالبہ کرتی ہے اس موضوع پر ابھی سوچا نہیں گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اقبال کے حلقۂ افسوں میں صرف سنہرے رنگ کو دیکھنا اور نیلے رنگ کو نظر انداز کر دینا سراسر ناانصافی ہے، اپنا نقصان ہے، دونوں رنگوں کے گہرے رشتوں کو بھی دیکھنا ہوگا، جہاں رشتہ ٹوٹ گیا ہے وہاں سُنہرے رنگ کو الگ کر کے نیلے رنگ کے تجربوں کا تجزیہ کرنا ہوگا۔ حیرت یہ ہے کہ ارتکاز کے لئے اقبال نے جس "آرچ ٹائپ" کو اتنی شدّت سے اُبھارا ہے، اقبال کے قاری کی نظر اس کے مرکز پر کیوں نہیں رہتی اور وہ دونوں رنگوں کو کبھی ایک ساتھ اور کبھی الگ الگ کیوں نہیں پاتا۔

جدید اُردو نظم اقبال سے شروع ہوتی ہے، جدید اُردو غزل اقبال سے شروع ہوتی ہے فنی اور جمالیاتی نقطۂ نظر سے یہ بات غلط ہے کہ حالی جدید نظم کے

امام ہیں اور حسرت موہانی جدید غزل کے امام ہیں۔ اقبال نے جس شدت سے "منٹل" کے آرچ ٹائپ کو ابھارا ہے اور نفسیاتی سطحوں پر اپنی ذات کے تحرک اور تجسس سے کام لیا ہے اس سے حالی اور حسرت دونوں کٹ کر الگ ہو جاتے ہیں اقبال حالی کی طرح خارجی موضوعات پر کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شعر نہیں کہتے، اقبال اردو نظم کو پہلی بار مٹی کے سنہرے رنگ سے ہٹا کر آسمان کے نیلے رنگ کی طرف لے جاتے ہیں، خارج سے باطن کی طرف، یہ کام حالی نہیں کر سکتے تھے، جدید اردو غزل بھی اسی آرچ ٹائپ کی شدت کی وجہ سے پہلی بار ایک نئی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ حسرت کو جدید غزل کا امام کہتے ہوئے ذرا ایک بار یگانہ کو بھی دیکھ لینا چاہیئے۔

▲ اقبال کی شاعری میں جب بھی اس دائرے کا نیلا رنگ زیادہ گہرا ہوا ہے اُن کی شاعری بلند تر ہو گئی ہے۔ "وقت" (TIME) کا میکانکی تصوّر ٹوٹا ہے، خُدا کے تصوّر میں تبدیلی آئی ہے خودی عشق کا پیکر بن گئی ہے موت کا جمالیاتی اور رُومانی تصوّر اُبھرا ہے۔ تازگی کا احساس پیدا ہوا ہے۔ "گہرائی" (DEPTH) "حرکت" (MOVEMENT) اور "آہنگ" (RHYTHM) کے ساتھ "روشنی" (LIGHT) گرمی اور تازگی کے طلسماتی تجربے اُبھرے ہیں تجربہ نغمہ بن گیا ہے، جامد بہت حد تک فراموش، صدیوں کے فلسفوں میں کسمساتے تہ در تہ معنوی لباس میں بے لباس تجربے زمین سے ایک بار پھر سر نکالتے ہیں، یہ تجربے حسّی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اس لئے ہم اُنہیں پہچان لیتے ہیں اور جمالیاتی لذت اور مسرت حاصل کرتے ہیں ذہن صداقت کے ایسے فنی انکشافات کو پاکر "اُپنشدوں" (UPNI SHADS) کے "برہم" اور "آتما" (BRAHAMA — ATMA) سے مشرق اور مغرب کے فلسفیانہ مابعد الطبیعاتی اور صوفیانہ اور مذہبی تصورات تک پہنچ جاتا ہے یہ فطری ردِّ عمل ہے لیکن یہ دونوں ایک نہیں ہیں، اقبال کے ایسے فنی انکشافات کو پاکر ذہن الفاظ کے بنیادی مفاہیم اور تلازمات

کی آواز صدیوں کے تجربوں میں ضرور سُنے لیکن موجود علامتی اظہار اور استعاروں اور لفظوں کے تلازموں کی موجود آواز اور خوشبو کو پہلے دیکھے، یہ اقبال ابھی تک نگاہوں سے چھپا ہوا ہے اور اسی وجہ سے ادبی تنقید کے لئے اقبال ابھی تک شعری تجربوں اور اپنی منفرد "ڈکشن" (DICTION) کے ساتھ چیلنج بنا ہوا ہے

اقبال کی شاعری میں "خودی" فلسفہ نہیں ہے بلکہ شخصیت کے کرب اور داخلی سوز و گداز اور باطنی توازن کا استعارہ ہے۔ باطنی زندگی کی قوتوں اور صلاحیتوں کی تفتیش کا وہ تجربہ ہے، جو پھیلا ہوا اور گہرا ہے، اپنا آہنگ رکھتا ہے روح اور جسم کی وحدت اور کائنات کے اُس آہنگ سے رشتہ رکھتا ہے جسے صرف باطن میں محسوس کیا جا سکتا ہے عشق خودی کی سب سے واضح صورت ہے اقبال کہتے ہیں کہ عشق کے آئینے میں دیکھو تو معلوم ہوگا کہ میں ہوں اور اتنا بسیط ہوں کہ زماں و مکاں میں نہیں سما سکتا۔ "انقلاب اندر شعور" سے شاعر کے باطنی تجربے کو سمجھا جا سکتا ہے "نفسی وجود" کی سطح اور حلقۂ افسوں و تسخیر کے مرکزی نقطے پر اقبال کے حسی تجربے توجہ چاہتے ہیں۔

تو شب آفریدی چراغ آفریدم — سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیاباں و کہسار و راغ آفریدی — خیاباں و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم — من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم
در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے — یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ
میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں — غلغلہ ہائے الاماں بتکدۂ صفات میں
حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں — میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ اُلجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

تُو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے

اقبال کے ایسے ہی تجربے اور ان کا یہی ڈکشن ابھی تک چیلنج ہے اقبال کے "وژن" کی یہ خوبصورت تصویریں ہیں حیاتی فکر کے حسین تجربے۔ عشق کی طرح "موت" بھی خودی کے حیاتی تصور سے علیحدہ نہیں ہے۔ جس نے انسان کو خودی کا جوہر عطا کیا ہے، عشق کا بے پناہ جذبہ دیا ہے جو اپنی سب سے حسین اور خوب صورت تخلیق کو مختلف صورتوں میں چھپ چھپ کر دیکھتا ہے، وہ اس تخلیق کو ایسی زندگی نہیں دے گا جو فنا ہو جائے، اپنے حلقۂ افسوں میں اُنھوں نے "موت" کے پیکر کو وہ مفہوم دیا ہے جسے پانے کے لیے ذہنی سطح پر انسان نے ایک طویل سفر کیا ہے۔ خودی اور عشق کے مفاہیم کی طرح یہ مفہوم بھی نیا نہیں ہے، صدیوں کے نفسیاتی اور روحانی تجربوں میں ایسے اور اس سے ملتے جلتے مفاہیم موجود ہیں لیکن فعال خودی اور عشق کے ساتھ مل کر زندگی کے تسلسل کا یہ روحانی تصور اقبال کی شاعری کا ایک نہایت ہی روشن پہلو بن جاتا ہے۔

● ہنوز اندر ضمیرم صد جہاں است

کہتے ہوئے وہ زندگی کے تسلسل کو ایک بڑے رومانی شاعر کی طرح اس طرح سمجھاتے ہیں:۔

- موت کیا شے ہے؟ فقط عالمِ معنیٰ کا سفر
- عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام
- خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقامِ حیات   کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحانِ ثبات
- فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا   ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے
- حریمِ ذات ہے اس کا نشیمنِ ابدی   نہ تیرہ خاکِ لحد ہے نہ جلوہ گاہِ صفات
- اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں   وجودِ حضرتِ انساں نہ روح ہے نہ بدن
- عقل مدت سے ہے اس پیچاک میں الجھی ہوئی

روح کس جوہر سے خاکِ تیرہ کس جوہر سے ہے

میری مشکل، مستی و شور و سرور و درد و داغ

تیری مشکل، مے سے ہے ساغر کہ مے ساغر سے ہے

ارتباطِ حرف و معنی، اختلاطِ جان و تن!

جس طرح اخگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے

اقبال نے اپنے حلقۂ افسوں یا منڈل میں "موت" کو باطن کے موجِ نور میں بہا دیا ہے اسے عالمِ معانی کا سفر کہہ کر انہوں نے رومانی اور جمالیاتی آسودگی عطا کی ہے اس موضوع پر بہت سے فلسفیانہ نکات یہ کام نہیں کر سکے عشق موت کے بعد خودی اور شخصیت کو زندہ رکھتا ہے اور جد و جہد جاری رہتی ہے، صدیوں کے تجربوں کا یہ جوہر اردو شاعری کے ایک عام

موضوع کے مفہوم میں کتنی کشادگی پیدا کر دیتا ہے

اقبال کے حلقۂ افسوں و حلقۂ تسخیر میں ان کے "وژن" کا مطالعہ اُن کی شاعری میں تخلیقی "فینشاسی" کا مطالعہ ہے۔ خودی عشق اور زندگی کے تسلسل کے جمالیاتی تجربوں کا مطالعہ ہے تمثالِ بصیرت (VISUAL IMAGES) تمثالِ سماعت اور تمثالِ لمس کے ساتھ "تمثالِ حرارت" (TH ERMAL IMAGES) اور تمثالِ حرکت کا بھی مطالعہ ہے۔ اقبال کی شاعری میں صرف حرارت (THERMEL IMAGES) اور بصارت اور حرکت کے پیکروں کا مطالعہ کیا جائے تو اقبال کی ایک نئی دریافت ہوگی۔

شیلے کے الفاظ میں ہم نے ابھی تک اقبال کے یہاں THE CLOUD OF MIND ذہن کے گھرے کڑکتے اور ساتھ ہی بادلوں کے چند خوبصورت ٹکڑوں کو دیکھا ہے۔ ابھی تک DISCHARGING ITS COLLECTED LIGHTNING یعنی اپنی تمام بجلیوں کے جلال اور جمال کو یہ بادل جس طرح اُجاگر کر رہا ہے اُس پر نظر نہیں گئی ہے۔ آپ پوچھیں گے کہ کیا اردو کی ادبی تنقید اتنی "اندھی" ہے تو میرا جواب صرف یہ ہوگا، "رنگوں اور روشنیوں کے معاملے میں ابھی تک ہمیں اندھا ہی سمجھئے"

(اقبال سمینار" سنہ ۱۹۷۳ء "کشمیر یونیورسٹی)

★ کتابت: محمد الیاس رامپوری

★ مطبوعہ: کشمیر آفسیٹ پریس سرینگر

ڈاکٹر شکیل الرحمن

"غالب کی جمالیات" غالبیات میں ایک تازہ اور قیمتی اضافہ ہے۔ جسے میں نے بڑے شوق سے پڑھا اور مستفید ہوا۔ ڈاکٹر شکیل الرحمن نے غالب کی جمالیات کو واضح کرنے کی یقیناً ایک قابلِ قدر اور فکر انگیز کوشش کی ہے جو "تخلیقی تنقید" کا عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے۔ "غالب کی جمالیات" ایک قیمتی تصنیف ہے۔"

★ پروفیسر رشید احمد صدیقی

"ڈاکٹر شکیل الرحمن کی نظر کی گہرائی اور نکتہ رسی کا قائل ہونا پڑا۔"

★ پروفیسر آل احمد سرور

غالب کی جمالیات

"غالب کے دیوان میں بعض لفظوں کے کثرتِ استعمال سے ڈاکٹر شکیل الرحمن نے اپنے نتائج اخذ کیے ہیں۔ تنقید و تفہیم کا یہ طریقہ مغرب میں رائج ہے ڈاکٹر شکیل الرحمن نے اردو تنقید میں اس کی ابتدا کی ہے لفظ "آتش" کو لیکر ڈاکٹر شکیل الرحمن نے نفسیات اور دیومالا کی مدد سے اپنے استدلال کو قوی کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا طرزِ تحریر جاندار ہے جسکی توانائی قاری محسوس کرتا ہے۔"

★ ڈاکٹر یوسف حسین خان

قیمت ۱۵ روپے

عصمت پبلی کیشنز

۱۵ جواہر نگر، بسنت نگر